احناف پیش کی اور تبصرہ فرمانے کی گذارش کی جسے انہوں نے بخوشی قبول فرمایا۔

رات کو ختم بخاری شریف کی تقریب کے بعد قیام وہیں رہا جبکہ دوسرے روز صبح کو فیصل آباد سے پیر محل جاتے ہوئے راستے میں علم ہوا کہ مولانا طارق جمیل اپنے گاؤں تلمبہ میں ہیں جو ہمارے راستہ میں ہے۔ چونکہ مولانا طارق جمیل پہلے اطلاع نہیں دے رکھی تھی، اس لیے ارادہ تھا کہ اگر ملاقات ہوگئی تو ٹھیک، ورنہ اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے اگلی منزل ملتان روانہ ہو جائیں گے۔ مولانا طارق جمیل کی رہائش گاہ پر پہنچے تو وہاں متعین خدام نے بھرپور ناشتے کا اہتمام کیا۔ کچھ ہی دیر بعد مولانا تشریف لائے اور آتے ہی فرمایا کہ آج تو ہماری عید ہوگئی۔ استاذ محترم نے بتایا کہ ملتان جا رہے تھے تو سوچا آپ کی زیارت کرتے ہوئے جائیں۔

مولانا طارق جمیل نے پوچھا کہ جامعہ نصرۃ العلوم میں بخاری شریف آپ ہی کے ذمہ ہے؟ تو استاذ محترم نے فرمایا کہ بس بڑوں نے ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ جامعہ بغداد کے میں ایک صاحب کو شیخ الحدیث مقرر کیا گیا تو وہ چھپ گئے۔ جب انہیں ڈھونڈ کر مسند پر بٹھایا گیا تو انہوں نے شعر پڑھا:

خلت الديار فسدت غير مسود ومن الشقاء تفردی بالسؤدد

اس پر استاد جی نے فرمایا کہ مولانا عبداللہ درخواستی اس جملے کو کہ ''کبرنی موت الکبراء'' (بڑوں کی موت نے ہم کو بڑا بنا دیا) کو اضافہ کے ساتھ یوں پڑھا کرتے تھے کہ ''بڑوں کی موت نے ''ہم جیسوں'' کو بڑا بنا دیا۔''

مولانا طارق جمیل نے پوچھا کہ آپ کا الشریعہ کیسا چل رہا ہے تو استاذ محترم نے فرمایا کہ حسب معمول اور حسب دستور اپنے مدوجزر کے ساتھ۔ استاذ محترم نے مولانا کی خدمت میں ''خطبات راشدی'' جلد دوم اور ''فقہائے احناف اور فہم حدیث'' پیش کی تو مولانا نے بڑی حسرت سے فرمایا کہ مولانا! مجھے تو اسفار اور ملاقاتوں نے بے حال کر رکھا ہے۔ اپنے لیے کوئی وقت ہی نہیں بچتا۔ کہنے لگے، ۸۹ء میں میرا پہلا حج تھا۔ اس سے پہلے میں رائیونڈ میں مقیم ہوتا تھا اور میرے سفر کوئی نہیں ہوتے تھے۔ جب حج پر گیا تو بیت اللہ میں مولانا فاروق صاحب (وہ چھوٹے حاجی عبدالوہاب صاحب ہیں) سے ملاقات ہوئی۔ ان کے بڑے سفر ہوتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ تو بڑے خوش نصیب ہیں۔ آپ کے اتنے سفر ہوتے ہیں، میں تو رائیونڈ میں ہی پڑا رہتا ہوں۔ یہ عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ طواف کرو اس کے دو نفل پڑھو اور پھر اللہ سے دعا مانگو کہ یا اللہ! مجھے اپنے دین کے لیے سیار بنا دے۔ میں اٹھا، طواف کیا دو نفل پڑھے اور دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے اپنے دین کا سیار بنا دے۔ بس وہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ کبھی سفر سے پاؤں نکلا ہی نہیں۔ ایک ایک سال میں تیس تیس ملکوں کا سفر اللہ نے کروایا۔ اب وہ ہمت نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے پوری دنیا میں پھرنا لکھا تھا اور شکر ہے کہ اس نے اپنے دین کی خدمت میں پھرایا۔

مولانا طارق جمیل صاحب نے فرمایا کہ زمانے کے ساتھ ساتھ تجدید کی ضرورت تو ہوتی ہے۔ استاذ محترم نے فرمایا کہ تجدید رکتی نہیں، ہوتی رہتی ہے۔ کہہ کر کریں، تب اور نہ مان کر کریں، تب بھی۔ ہمارے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ہم بغیر مانے تجدید کرتے رہتے ہیں۔ اجتہاد چلتا رہتا ہے، زمانے کے بدلنے سے احکامات بدلتے رہتے ہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ بھئی، یہ تجدید و اجتہاد بتا کر اور سمجھا کر کرو گے تو بہت سی الجھنوں سے بچ جاؤ گے، مگر یہ بات بہت سے حضرات کی

سمجھ میں نہیں آ رہی۔

مولانا طارق جمیل سے رخصت ہو کر ہم جامعہ قادریہ حنفیہ ملتان پہنچے جہاں ادارے کے سربراہ مولانا محمد نواز اور مولانا عبدالجبار طاہر نے استقبال کیا۔ جامعہ میں ایک ہی دن میں دو تقریبات تھیں، جامعہ کے قدیم فضلاء کا کنونشن اور اختتام بخاری کی تقریب۔ مولانا زاہد الراشدی نے فضلاء سے اپنے خطاب کا آغاز ایک لطیفہ سے کیا کہ ''رشدی'' اور ''راشدی'' میں فرق ملحوظ رکھا جائے اور بتایا کہ ایک دفعہ میں اور مولانا سمیع الحق صاحب ملتان آئے تو کارکنان نے بھرپور استقبال کیا۔ ان دنوں سلمان رشدی کا قصہ چل رہا تھا۔ ہم آگے گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے اور پیچھے بہت سے کارکن زور زور سے نعرے لگا رہے تھے ''راشدی کو پھانسی دو، راشدی کو پھانسی دو۔'' جلوس جب منزل پر پہنچا تو میں اسٹیج پر گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ بھئی! میرا کیا قصور ہے کہ تم لوگ دو گھنٹے یہ نعرے لگاتے رہے؟ مجمع سے آواز آئی کہ وہ آپ کو نہیں، سلمان راشدی کو کہہ رہے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ بھائیو! وہ راشدی نہیں، رشدی ہے۔

ماحول، حالات، اور زمانہ کے مطابق اسباب کو اختیار کرنا بہت اہم ہے، لیکن میں اس سے پہلے کی ایک بات عرض کرنا چاہوں گا کہ ان سب سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانہ، ماحول اور حالات کو سمجھا جائے۔

ہماری بہت سی الجھنوں اور پریشانیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں حالات کا ادراک نہیں ہوتا، ہم حالات کو پوری طرح سمجھتے نہیں۔ سطحی، ادھوری باتیں ہمارے ذہن میں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے۔

ایسے ہی ایک مسئلہ ہمیں درپیش ہے کہ ہم سے اجتہاد کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ آپ اجتہاد کریں۔ ہم اس بات کو سمجھے بغیر کہ ان کے ہاں اجتہاد کا تصور کیا ہے، نور الانوار اور حسامی لے کر فقہی جزئیات سے جواب دینے لگتے ہیں جس سے بات سلجھنے کے بجائے مزید الجھ جاتی ہے۔ ہم سے اجتہاد کا مطالبہ کرنے والوں کے ذہن میں اجتہاد کے دو مختلف تصور ہیں۔ ایک یہ کہ جیسا کہ عیسائیوں کے ہاں پاپائے روم کو دین عیسوی میں حلال وحرام کا صوابدیدی اختیار حاصل ہے، ایسے ہی شاید ہمارے علماء کو بھی اس طرح کا صوابدیدی اختیار حاصل ہے، لیکن یہ استعمال نہیں کرتے۔ اس پر وہ پریشان ہوتے ہیں کہ اختیار حاصل ہونے کے باوجود اس کو استعمال نہیں کرتے۔ تیس پینتیس قبل رمضان سخت گرمیوں میں تھا تو اس زمانہ میں ایک دانشور کا کالم ''اجتہاد'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کالم میں علماء سے درخواست کی گئی کہ رمضان سخت گرمی میں آ رہا ہے اور اس شدید گرمی میں بھٹے پر کام کرنے والے مزدور اور مونجی کاشت کرنے مزدور کے لیے روزہ رکھنا انتہائی مشکل ہے، لہٰذا علماء مشورہ کر کے اجتہاد کریں اور رمضان کو کسی ایک مہینہ میں خاص کر دیں اور ساتھ ہی تجویز دی کہ اگر رمضان کو فروری کے مہینے میں مقرر کر دیا جائے تو دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ رمضان معتدل موسم میں آ جائے گا اور دوسرا عید کے چاند کا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ یہ ان کے ہاں اجتہاد کا تصور ہے۔ میں نے جواب میں کالم لکھا کہ بھئی، آپ تیسرا فائدہ بھول گئے ہیں کہ تیسویں روزہ کی بات ہی ختم ہو جائے گی۔ تین سال اٹھائیس اور ایک سال انتیس روزے رکھنے پڑیں گے۔

میں ایسے دوستوں سے عرض کرتا ہوں کہ بھیا، ہمیں پاپائے روم کی طرح اس قسم کو کوئی صوبدیدی اختیار نہیں ہے۔ ہم تو نصوص کے پابند ہیں اور نصوص صریحہ وقطعیہ میں کسی قسم کے ردوبدل کا اختیار نہیں رکھتے۔